دئے ہیں۔ گو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بعض مذہبی اداروں اور مذہبی رہنماؤں اور عام مسلمانوں نے وہ کرداری نمونے بھی پیش کئے ہیں جن کو ہر طرح کے اخلاقی معیار سے جانچنے کے بعد بھی نازیبا ہی کہنا پڑے گا۔ چنانچہ ایک ملاقات میں جب ایران کے سابق نخست وزیر ڈاکٹر مصدق نے ایک پاکستانی سے، گفتگو کے دوران میں پوچھا: "کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ فرانس کو چھوڑ کر اسلامی ملکوں کے سوا اور بھی کہیں رشوت چلتی ہے؟" تو پاکستانی کو جواب میں سر جھکا لینا پڑا۔ ہمیں اکثر مسلمانوں کے معاشرہ کے متعلق قسم کی تنقید کے وقت سر جھکانا ہی پڑتا ہے۔

بہرحال یہ ایک صورتِ حال ہے جس کا ذکر کرنا اس لئے لازم سمجھا گیا تاکہ ہم یہ سوچ سکیں کہ اسلامی معاشرہ میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص کردار کی تشکیل کو کیا اہمیت دی جا رہی ہے؟ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اس مسئلے میں کسی قسم کا غور ہی نہیں ہو رہا ہے۔ مسلمان کے کردار کی تشکیل کے لئے سب سے اہم رہنمائی دین سے ملتی ہے۔ اور دین کا جو حصہ کردار کی تشکیل سے متعلق ہے اُس کی تبلیغ، نشر و اشاعت اور عملی تدریس کے وسائل اس ملک میں ناپید ہیں۔ ایک عام ناظر کی حیثیت سے یہ عرض کروں گا کہ عوام نے دین کو عبادات کے دائرے کے اندر محدود کر لیا ہے۔ اور متخصصین جب اپنی جماعتیں بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں تو اُنہوں نے فوراً سیاسی سرگرمی شروع کر دی ہے۔ کیونکہ ان کا عام نظریہ یہ ہے کہ سیاسی اقتدار کے بغیر ملک اور ملّت کی اصلاح ناممکن ہے۔ میں ان لوگوں سے اس حد تک تو متفق ہوں کہ سیاسی اقتدار سے اصلاح بزور اور یقینی طور پر نافذ کی جا سکتی ہے لیکن اس خیال سے متفق نہیں کہ سیاسی اقتدار کے بغیر کردار کی تشکیل کے فرائض سرانجام ہی نہیں دئے جا سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ کردار کی تشکیل کی عملی اور جبری درس گاہیں تین ہیں: گھر، مکتب اور معاشرہ۔ میں نے ان کو "عملی اور جبری" اس لئے کہا ہے کہ ان درس گاہوں میں کاوشِ تدریس اور تمنائے تحصیل کے بغیر انسانی کردار کو اُن سانچوں میں ڈھال دیا جاتا ہے جس کے نمونے یہاں موجود ہوتے ہیں۔ پہلی درس گاہ کی ایک مثال عرض کروں گا کہ جب ایک باشعور بچّہ دیکھتا ہے کہ اُس کے ماں باپ یا قریبی لواحقین جھوٹ یا کسی قسم کی بدکاری کو نازیبا نہیں سمجھتے تو وہ نفسیاتی طور پر اپنے آپ میں اس قسم کے کاموں کے لئے تماہل پاتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ بلا ضرورت جھوٹ بولنا شروع کر دیتا ہے۔ چند دوستوں میں ایک معروف بڑے آدمی کا ذکر چل نکلا تو ایک خاتون نے اس آدمی کی سیرت کے متعلق ایک فقرہ کسا جو اس کے کردار کا نفسیاتی جائزہ تھا۔ اُس نے کہا: اس آدمی کو اگر پشاور جانا ہوتا ہے تو لوگوں کو بتاتا ہے میں کراچی جا رہا ہوں۔ میرے خیال میں یہ اُسی قسم کا بلا وجہ جھوٹ ہے جس کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے اور یہ اُس کردار کا نمونہ ہے جس کی تربیت گھر یا مکتب یا معاشرہ نے کی ہے۔ لیکن جب ہم گھر کو کردار کی تشکیل کی درسگاہ قرار دیتے ہیں تو ہم اکثر یہ فراموش کر جاتے ہیں کہ کردار کی تربیت کی خصوصی درسگاہوں میں

معاشرہ کی درسگاہ سب سے اہم ہے۔ یوں تو منطقی طور پر گھر اور مکتب بھی معاشرہ کی حدود میں شامل ہیں۔ لیکن ان تین مقامات پر تدریس اور تحصیل کے لوازم مختلف ہیں۔ گھر میں بچہ نفسیاتی طور پر ماں باپ کو جسمانی۔ ذہنی اور اخلاقی طور پر اپنے آپ سے برتر سمجھتا ہے۔ یہاں اُسے اس بات کا بھی لالچ ہوتا ہے کہ اگر اُس نے والدین کے منشاء کے مطابق بظاہر کردار کی تشکیل نہ کی تو وہ اُن عنایات سے محروم ہو جائے گا جو شفیق ماں باپ بچوں پر فرماتے ہیں۔ روائتی تعلیمات کے زیر اثر چند سالوں کے بعد بچہ عنایات ایزدی سے متمتع ہونے کے لالچ سے بھی ماں باپ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے۔ الغرض کردار سازی کی اس درسگاہ میں مادی اور روحانی لالچ یکجا جمع ہو جاتے ہیں۔ اور عام بچہ بہت جلد کردار کی تشکیل اسی طرح کرنا شروع کر دیتا ہے جیسے اُس کے ماں باپ کو پسند ہو۔

مکتب کی درسگاہ میں ترغیبات کا سلسلہ وہ نہیں جو گھر میں ہوتا ہے۔ یہاں تعلقات کی دنیا بیشتر مادی اساس پر بسائی جاتی ہے۔ طالب علم اسکول میں ہو یا کالج یا یونیورسٹی میں وہ بہر صورت علم اور سند حاصل کرنے کو اپنا مقصد قرار دیتا ہے۔ اس کوشش میں ضمنی طور پر وہ کردار کے وہ خصائص جذب کرتا ہے جو بہت قلیل مقدار میں اُستاد اُس کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اُستادوں کی ایک کثیر تعداد صرف اپنے کام سے کام رکھتی ہے۔ یعنی طلباء سے اُن کے مراسم صرف رسمی تدریس تک محدود رہتے ہیں۔ گو یہ حقیقت ہے کہ اس سلسلے میں بھی وہ بعض دفعہ اس قسم کی حرکات کرتے ہیں جو طلباء کے کردار پر ایک مستقل اثر چھوڑ جاتی ہیں۔ مثلاً طلباء کے شخصی مسائل حیات کی طرف سے عدم توجہی، جزا اور ستائش میں ناہمواری اور سزا میں غیر متناسب شدّت وغیرہ تدریس کے وہ خصائص ہیں جو عام طور پر بے حس، شقی القلب اور غیر متوازی ہمدردی والے کردار کی تشکیل کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ لیکن عام طور پر شعوری کوشش کے بغیر کردار سازی کی طرف توجہ نہ دینے والے اساتذہ کے ساتھ طالب علم کا تعلق محض کاروباری ہوتا ہے۔ یعنی سبق پڑھا اور گھر چلے آئے۔ اور ملّی ضروریات کے مطابق وسائل تعلیم مہیّا نہ ہونے کی وجہ سے اس قسم کے اساتذہ اور اس قسم کے طلباء کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ طالب علم صرف مکتب کی فیس وقت پر ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے اور اُستاد چالیس منٹ سے لے کر ایک گھنٹہ تک کلاس میں حاضر رہنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اور کردار سازی کو اپنے فرائض میں شمار نہیں کرتا۔

معاشرہ کردار سازی کی سب سے بڑی درس گاہ ہے۔ لیکن یہ وہی جگہ ہے جہاں گھر اور مکتب کے نتائج آکر جمع ہو جاتے ہیں۔ گھر میں اگر والدین پر کردار سازی کی اہمیت روشن نہیں اور مکتب میں اساتذہ اگر بے دلی کا شکار ہو رہے ہیں تو معاشرہ میں بھی اچھی بات بتانے والے افراد اور جماعتوں کا فقدان از خود رونما ہو جاتا ہے۔ صحیح کردار کی تشکیل کے لئے کسی شعوری کوشش کی ضرورت نہیں۔ اس کردار کا مظاہرہ لاشعوری طور پر انسانی اذہان کو اس طرح متاثر کرتا ہے جیسے کسی ہال میں بیٹھے ہوئے سگرٹ نہ پینے والے آدمی کے لباس سے بھی دھوئیں

کی بدبو اس لئے آنے لگتی ہے کہ دوسرے آدمی وہاں سگرٹ پی رہے ہوتے ہیں۔ غلط کردار کی نمائش اور کسی ایک مقام پر اس کی تحسین قریبی حلقوں کے افراد کو فوراً متاثر کرتی ہے۔ اور ایسے انسان کم ہیں جو معاشرہ میں غلط کردار کے تظاہر کے مسموم اثرات سے محفوظ رہ سکیں خصوصاً ان حالات میں جبکہ اس قسم کے مظاہرہ پر آمنّا صدقنا اور مرحبا کہنے والوں کا ایک گروہ بھی موجود ہو۔ مثال کے طور پر عرض کروں گا کہ اس ملک میں ہر بڑا چھوٹا آدمی اس امر کا شاکی ہے کہ ہمارے معاشرہ میں سازش اور رشوت کو گذشتہ چند سالوں میں بہت فروغ ہؤا ہے اور اس سے مسائل حیات نہ صرف پیچیدہ ہو گئے ہیں بلکہ عام آدمی کے لئے زندگی بسر کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ گذشتہ چند سالوں میں اس ملک میں ایسا کوئی ادارہ یا مکتب اجبارتی نہیں ہؤا جس میں رشوت خوری اور ریشہ دوانی کی تدریس کی۔ معاشرہ اور افراد کی رائے بھی انسانی کردار کے ان دو خصائص کے متعلق اب تک وہی ہے جو چند سال پہلے تھی لیکن اس کے باوجود اس کے کردار کی تشکیل اور اس کردار کو فروغ کیسے ہؤا ہے؟ صرف اس طرح کہ معاشرہ میں جہاں اس کردار کا مظاہرہ ہؤا وہیں اس کی تحسین ہوئی اور اس کردار کا مظاہرہ کرنے والے افراد کو داد بھی ملی۔ نتیجہ یہ کہ ان خصائص کا زہر افراد کے اذہان میں پھیلتا چلا گیا اور زبان سے ان کی شکایت کرنے کے باوجود ہم انہیں اپناتے چلے گئے۔

ان گزارشات سے اس امر کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ جہاں کردار سازی کی ان تین اہم درس گاہوں یعنی گھر، مکتب اور معاشرہ میں عمدہ کردار کی تشکیل کا کوئی انتظام نہیں وہاں غلط کردار سازی کے نفسیاتی وسائل از خود مہیا ہو گئے ہیں۔ اور اگر اس مسئلہ پر متانت سے غور کر کے عملی اقدامات نہ کئے گئے تو ملّت کو یہ خطرہ لاحق ہے کہ عوام اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے اور پاکستان کا باشندہ سمجھتے ہوئے بھی اعلیٰ کردار سے کوسوں دور نکل جائیں گے ساری کی ساری ملّت کے لئے آئیڈیل کردار کی تحصیل ناقابلِ عمل سہی لیکن اعلیٰ کردار کے خصائص سے ملّت کے بیشتر افراد کو آراستہ کرنا ناقابلِ عمل نہیں۔ اس کے لئے منصوبہ بندی اور شعوری کاوش کی ضرورت ہے۔

شعوری کاوش میں اوّلین مرحلہ اس افہام و تفہیم کا ہے کہ مسلمان کے لئے اعلیٰ کردار کے خصائص اور حدود کیا ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ دنیا کی مہذّب قوموں اور ملّتوں کے اعلیٰ کردار کے خصائص کو اپنانا ہر فردِ بشر کا فرض ہے لیکن مسلمان کا مذہب چونکہ اُس کے کامل نظامِ حیات پر حاوی ہے اس لئے اُسے سب سے پہلے تشکیل کردار کے سلسلے میں رہنمائی حاصل کرنے کے لئے مذہب کی طرف رجوع کرنا پڑیگا۔ اس رہنمائی میں مذہب سے کن تفاصیل کی یافت ہوتی ہے یہ اس مقالہ کے موضوع سے خارج ہے۔ اور میری علمیت کی حدود سے پرے ہے۔ یہ اُن بزرگوں کا کام ہے جو مذہبی علوم پر اس قدر حاوی ہیں کہ ان علوم سے معین طور پر وہ تفاصیل جمع کر سکتے ہیں جو تشکیل کردار کے سلسلے میں ممد ثابت ہو سکتی ہے۔ میں اپنے محدود مطالعہ اور کم علمی کی بنا پر صرف چند مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کروں گا

جن سے یہ واضح ہو جائے گا کہ اسلام نے بھی تشکیل کردار کے سلسلے میں معین طور پر انسانیت کی رہنمائی کی ہے۔ لوگوں کا مال خورد برد کرنے اور رشوت دینے کے سلسلے میں قضاۃ اور عوام کو جو تنبیہ کی گئی ہے۔ اُس کا ذکر ابھی کر چکا ہوں چند اور مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

۱- ایفائے عہد اور امانت کے متعلق احکام

(ا) والذین ھم لامانتھم وعھدھم راعون (۷۰ : ۳۲)

(مومن اپنی امانت اور وعدہ دونوں کو پوری طرح نبھاتا ہے)

(ب) واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا (۱۷ : ۳۴)

(اور وعدہ کرکے ضرور پورا کرو کیونکہ اب تم اس کے ذمہ دار بن گئے ہو)

۲- صحیح گواہی پر اصرار

یاایھاالذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علی انفسکم اوالوالدین والاقربین ج ان یکن غنیاً اوفقیراً فاللہ اولی بھما فلا تتبعوا الھوی ان تعدلوا ج وان تلوٗا او تعرضوا فان اللہ کان بما تعملون خبیرا۔ (۴ : ۳۴)

اے مومنو! پوری طرح حق شہادت ادا کرو۔ اللہ تعالےٰ کو (اپنی شہادت کا) گواہ سمجھتے ہوئے! اگرچہ اس سے خود تمہیں یا تمہارے والدین یا اقرباء کو ضرر کیوں نہ پہنچے۔ ان میں سے ہر ایک کی تونگری اور محتاجی کا معاملہ اللہ تعالےٰ کے سپرد کرو۔ وہ دونوں کا نگہبان ہے۔ شہادت کے وقت اپنی خواہش سے دب کر عدل سے نہ پھر جاؤ۔ نہ بات کہتے ہوئے ذومعنی شہادت دو۔ نہ گواہی سے اعراض کرو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ تمہارے ہر معاملے کی حقیقت سے باخبر ہے۔

۳- غیبت کے خلاف انتہائی نفرت کا اظہار

ولا یغتب بعضکم بعضاً ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتاً فکرھتموہ واتقوا اللہ ان اللہ تواب رحیم۔ (۴۹ : ۱۲)

(اور ایک دوسرے کے پیٹھ پیچھے اسے بُرا مت بناؤ۔ بھلا تمہیں اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت

کھانا پسند ہے؟ بلکہ تم اس سے گھن کروگے! اور اللہ سے ڈرو۔ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم پرور ہے)۔
علیٰ ہذا القیاس قرآن مجید میں متعدد آیات اور احادیث میں کافی مسالہ اس قسم کا ملے گا، جس میں احسان ومروت، تقویٰ، سخاوت، مساوات، لین دین کے آداب، آدابِ مجلس، صداقت، تواضع، بردباری، سادگی، صفائی، ریا سے پرہیز، بدگمانی اور اسراف کے خلاف تنبیہ اور اس قسم کی ہدایات جمع کی گئی ہیں جو اعلیٰ کردار کی ضامن ہیں۔
تشکیل کردار کے لئے منصوبہ بندی میں یہ سب سے پہلا مؤثر قدم ہوگا جس میں ثواب کے لالچ اور عذاب کے خوف سے پرے رکھ کر مسلمان کو یہ سمجھایا جائے گا کہ مسلمان بننے کے لئے کردار میں ان خصائص کا پیدا کرنا ضروری ہے۔
اس سلسلے میں دوسرا اہم قدم یہ اٹھانا پڑے گا کہ اعلیٰ کردار کے خصائص جو دوسری ملتوں میں نظر آرہے ہیں اُن کی تفصیل مرتب کرکے معاشرہ پر یہ واضح کرنا پڑے گا کہ یہ قومیں یا ملتیں بین الاقوامی طور پر اس لئے باوقار سمجھی جاتی ہیں کہ ان کے افراد کے کردار ان خصائص کے حامل ہیں۔ اور دنیا نے یہ یقین کرلیا ہے کہ ان کے افراد کسی حالت اور کسی وقت بھی ان خصائص سے عاری نہیں ہوتے۔
تشکیل کردار کے سلسلے میں تیسرا اہم مرحلہ عوام اور خواص کو یہ یقین دلانے کا ہے کہ معاشرے اور بین الاقوامی فضا میں جزا وسزا کی اُمید سے بے پرواہ ہوکر اور دنیا اور آخرت میں عذاب وثواب کے لالچ کے بغیر بھی اعلیٰ کردار کی تشکیل ایک مستحسن فعل ہے۔ بلند کرداری ایک ایسا امتیازی وصف ہے جو کسی نہ کسی وقت دوست دشمن سے خراجِ عقیدت وصول کرلیتا ہے۔ راست کرداری سے تھوڑے عرصہ کے لئے چند لوگ آپ سے بظاہر خفا ہوسکتے ہیں لیکن ٹھنڈے دل سے غور کرنے پر وہ ضرور اپنے اس فعل پر نادم ہوتے ہیں۔ اس تبلیغ کے لئے معاشرہ کے اُن افراد کی مثالیں پیش کرنا لازم آئے گا جو بلند مناصب پر فائز ہیں اور اقتدار کی باگیں تھامے ہوئے ہیں۔ لیکن اُن کی بدکرداری کی وجہ سے لوگ دلی طور پر اُن کا احترام نہیں کرتے۔
ہر شخص جانتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایسے افراد کی کمی نہیں جن سے بظاہر لوگ اس لئے خوف کھاتے ہیں، کہ اُن کے پاس اقتدار اور منصب ہے۔ لیکن دل میں اُن کے خلاف نفرت کے جذبہ کی اس لئے پرورش کرتے رہتے ہیں کہ اُن کے کردار اعلیٰ خصائص کے حامل نہیں۔ اعلیٰ کردار کی تشکیل کے سلسلے میں تبلیغی مساعی میں اُن افراد کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جو کبھی صاحبِ منصب اور صاحبِ اقتدار تھے اور اب قوت اُن کے ہاتھوں سے اس لئے نکل چکی ہے کہ اُنھوں نے اپنے اقتدار کے زمانے میں بلند کرداری کا ثبوت نہیں دیا۔ عملی طور پر یہ کام بڑا مشکل اور نازک ہے۔ اور اس میں ایک پیچ یہ بھی ہے کہ ایسی مثالیں پیش کرنے میں افراد اپنے جذبات سے مغلوب ہوکر غلط نتیجے

بھی اخذ کر سکتے ہیں۔ اس لئے اس سلسلے میں صرف تاریخی شواہد اور مصدقہ دلائل کسی جماعت کی طرف سے ہی پیش ہونے چاہئیں۔ ورنہ مقہور افراد پر اس قسم کی تنقید فساد کا باعث بن سکتی ہے۔

اس مرحلہ پر پہنچ کر ہم لازمی طور پر یہ سوچنا شروع کر دیتے ہیں کہ کردار سازی کی مہم کو سر کرنے کے لئے کسی جماعت کا وجود ضروری ہے جو کردار سازی کی دوڑ میں ہمارے جیسے عقب ماندہ ملک میں یہ کام سرانجام دینے کے لئے مناسب وسائل اختیار کرے۔ افراد میں بالعموم کردار کی سطح دن بدن تنزّل کی طرف مائل ہے اور اس کے وجوہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ اگر ملی یا قومی سطح پر اس کا سدّ باب نہ کیا گیا اور کردار سازی کی طرف عملی طور پر توجہ نہ دی گئی تو اہلِ پاکستان نہ سچے مسلمان رہیں گے اور نہ قابلِ عزّت انسان۔

اسلامک آیڈیالوجی

مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم
قیمت دس روپے

اسلام اینڈ مارکسزم

مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم
قیمت آٹھ روپے

محمد دی ایجوکیٹر

مصنفہ رابرٹ گلک
قیمت تین روپے آٹھ آنے

ویمن ان اسلام

مصنفہ محمد مظہرالدین صدیقی
قیمت پانچ روپے بارہ آنے

— ملنے کا پتہ —

منیجر ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ ۲ کلب روڈ۔ لاہور

جناب محمد مظہر الدین صدیقی

اسلام کے معاشی احکام اور عہدِ جدید کے تقاضے

خلفائے راشدین اور بنو اُمیہ کے عہدِ حکومت میں تبدیل شدہ حالات کے باعث پیشِ نظر مسائل حل کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشی احکام میں حسب ضرورت ترمیم اضافہ کیا گیا اکثر صورتوں میں جہاں خلفائے راشدین نے ترمیم واضافہ کیا وہاں یہ ترمیمات اور اضافے دین کے اُصول وکلیات پر مبنی تھے۔ لیکن اس واقعہ سے بہرحال انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ حضور رسالتمآبؐ کے احکام میں اضافہ اور ترمیم کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عربوں کی فتوحات کے بعد انہیں جن معاشی مسائل سے سابقہ پڑا ان کی نوعیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مسائل سے مختلف تھی۔ عہدِ رسالت میں اسلامی حکومت کے حدود عرب سے آگے نہیں بڑھے تھے اور اسلام کو زرعی معیشت کے مسائل سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ کیونکہ عرب میں زراعت کا رقبہ بہت محدود تھا اور لوگ تجارت یا گلہ بانی کے ذریعہ معاش حاصل کرتے تھے۔ اس کے علاوہ عرب میں بڑی بڑی زمینداریاں اور جاگیریں وجود میں نہیں آئی تھیں۔ اس کے برخلاف جب اسلام روم اور ایران پر فتح یاب ہوا تو مسلمانوں کو ایک ترقی یافتہ زرعی معیشت کے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ ایران۔ عراق۔ شام اور مصر میں بڑے بڑے قطعاتِ اراضی اور جاگیریں چند افراد کے ہاتھوں میں تھیں اور کاشتکاروں کے حقوق نہایت بے دردی سے پامال کئے جاتے تھے اس لئے اسلامی حکمرانوں کو لازماً ان طریقوں میں ترمیم واضافہ کرنا پڑا جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں کام لیا تھا۔ ان میں سے بنو اُمیہ نے جو ترمیمات اور اضافے کئے وہ کسی مذہبی یا اخلاقی اصول پر مبنی نہ تھے بلکہ اس میں عربی قومیت اور طبقاتی امتیازات کا پیدا کردہ جذبۂ تفوق کام کر رہا تھا۔ اس کے برخلاف خلفائے راشدین اور بالخصوص حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں میں جو اضافے یا ترمیمات کیں ان میں سے کوئی بھی دین کے بنیادی اُصولوں کے منافی نہ تھا۔ مثلاً حضرت عمرؓ کا یہ اجتہاد واضافہ کہ انہوں نے مفتوحہ علاقوں کی اراضی کو اہلِ فوج میں تقسیم نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کو اپنی سلطنت میں زمین کی خریداری اور حصول جائداد سے روک دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقِ کار سے بالکل مختلف تھا۔ کیونکہ آنحضرت صلعم نے خود مسلمانوں کو زمینیں اور اقطاع عنایت فرمائے تھے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل جو بظاہر خلاف سنت معلوم ہوتا ہے، اُصولِ اسلام کی رُو سے نہ صرف جائز بلکہ ضروری تھا۔ آنحضرتؐ کو اپنے حینِ حیات اس خطرہ کا سامنا تھا کہ مسلمان مجاہدانہ زندگی اور تبلیغِ اسلام کا فریضہ ترک کر کے

بڑے بڑے جاگیردار اور زمیندار بن بیٹھیں گے۔ آپ نے مسلمانوں کو جو زمینیں عطا فرمائی تھیں ان کا رقبہ اس قدر محدود تھا کہ مسلمان خود تو ان اراضی پر کاشت کر سکتے تھے مگر زمینداروں اور جاگیرداروں کی طرح آرام و فرصت کے ساتھ غریب کاشتکاروں کی کمائی سے استفادہ کرنا ان کے لئے ناممکن تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جو مسئلہ پیش تھا وہ اس سے بہت مختلف تھا۔ عراق اور شام کی مفتوحہ اراضی کو اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق اہلِ فوج میں تقسیم کر دیا جاتا تو مسلمانوں میں نظامِ زمینداری اور جاگیرداری کی تمام خرابیاں پیدا ہو جاتیں اور یہ لوگ تبلیغ دین اور اعلائے کلمۃ الحق کے فریضہ سے غافل ہو کر امیرانہ راحت طلبی میں پڑ جاتے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو تبدیل کرنے میں کوئی مذہبی رکاوٹ نہیں محسوس کی۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مسئلہ یونہی پیش آتا تو آپ بھی حضرت عمرؓ کی مانند تقسیم اراضی کے مطالبہ کو نامنظور کر دیتے اور مسلمانوں کو زمینات خریدنے سے منع فرما دیتے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے زکوٰۃ میں مؤلفۃ القلوب کا حصّہ دینے سے انکار کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقِ عمل میں تبدیلی فرمائی مگر یہ اجتہاد بھی جو تقاضائے وقت کے مدّنظر کیا گیا تھا اُصولِ اسلام کے منافی نہ تھا۔ اگر پیروی سنّت اور اتباعِ شریعت کے معنے وہ ہوتے جو آج کل سمجھے جاتے ہیں تو حضرت عمرؓ جیسی ہستی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقِ کار میں تبدیلی کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اور نہ دیگر صحابہ اس امر کے روادار ہوتے کہ جس بات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے جائز اور ضروری ثابت کر دیا تھا اسے محض تبدیلیٔ حالات کی وجہ سے ترک کر دیا جائے۔ پھر یہی نہیں بلکہ حضرت عمرؓ نے صدقات و زکوٰۃ کی آمدنی میں سے اہلِ کتاب کے معذور اور ضعیف افراد کو گزارہ دینے کا جو فیصلہ کیا اس کی بھی کوئی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل میں نہیں ملتی ہے۔ اگر خلفائے راشدین سنّت نبویؐ کی سند کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کرتے ہوتے تو ان سے اس قسم کے اجتہادات ہرگز سرزد نہ ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام کسی معاملہ کا فیصلہ کرتے وقت صرف اسناد کو مدِّنظر نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ نئے حالات اور ضروریات کا بھی خیال کرتے تھے۔ البتہ وہ یہ احتیاط ضرور کرتے تھے کہ ان کا فیصلہ دین کے اصول و کلیات پر مبنی ہو اور روحِ اسلام کے منافی نہ ہو۔ جہاں ان کی کسی ترمیم و تجدید سے اُصولِ اسلام کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہوتا وہ ایسے اقدام سے گریز کرتے۔

اب آج کل کے جدید حالات اور تقاضوں میں ہم کو بھی یہی اُصول اور طریق کار اختیار کرنا چاہئے ورنہ اگر ہم ہر معاشی، سیاسی اور تمدّنی مسئلہ میں نظائر اور اسناد کی تلاش کرتے پھریں تو ہماری یہ کوشش یقیناً ناکام ہو گی کیونکہ ہمارے مسائل کی نوعیت ان مسائل سے بالکل جدا ہے جو عہدِ اسلامی میں مسلمانوں کو پیش آتے تھے۔

اس نوبت پر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کے معاشی نظام سے کیا مراد ہے۔ آیا اس اصطلاح کا اطلاق ان جزوی اور فروعی احکام پر ہوتا ہے جو قرآن اور حدیث میں پائے جاتے ہیں یا اس سے مراد وہ اساسی